یادایام صحبتِ فانی

از جناب تابش صاحب دہلوی

جناب تابش دہلوی اردو کے خوش فکر نوجوان شاعر ہیں۔ برسوں تک جناب فانی بدایونی کے ساتھ رہے ہیں۔ اس مضمون میں انھوں نے اپنی اور فانی مرحوم کی چند صحبتوں کا ذکر کیا ہے جو آئندہ ان کے سوانح نگار کے لئے کارآمد ہوگا۔ (برہان)

دہلی سے پہلے پہل حیدرآباد (دکن) جاتے ہوئے ایک ہمسفر دوست نے فانی بدایونی مرحوم کی "باقیات" پڑھنے کے لئے دی، باوجود کوشش کے کچھ پلے نہ پڑا، دماغ تو "کس نے بوسے تیرے گن گن کے لئے" پر دل کی طرح دھڑکنے کا عادی تھا اور ذہن میں "غیر کی ہو کے رہے یا شبِ فرقت میری" کے رشک کے علاوہ ہر احساس ناپید تھا اور فکر اس بار سے دبی پڑی تھی کہ "بوجھ اٹھواتے ہیں اب ناز اٹھانے والے" بھلا اس حال میں "ٹوٹا طلسم ہستیِ فانی کے راز کا۔ احسانمند ہوں الم جانگداز کا" جیسے اشعار دل و دماغ میں کیا پیوست ہوتے، غرض تمام حواس "شعری ثقافت" سے آلودہ تھے۔ "باقیات" ایک ہی دفعہ میں کیا جلا کرتی!! میں نے تنگ آکر واپس کر دی۔

حیدرآباد (دکن) میں جن عزیز کے یہاں مقیم ہوا ان کے پاس بھی "باقیات" دیکھی اور ان کو فانی کا مداح بھی پایا، انھوں نے مجھے پڑھنے کے لئے دی، میں نے رشید احمد صدیقی کے مقدمہ سے لیکر "عرضِ حال" تک پڑھ ڈالی، کچھ پلے نہ پڑا، پھر پڑھی، اب دماغ میں کہیں کہیں "باقیات" کے اشعار پیوست ہونے لگے، پھر پڑھی پھر پڑھی، یہاں تک کہ آدھی سے زیادہ ازبر ہوگئی اور دماغ کو بھی نصف سے زیادہ

مجلی کر گئی۔ غرض یہ تھا وہ غائبانہ نیاز جو فانی سے حاصل ہوا اور اب جو ایک مستقل یادگار بن کر دل کی زندگی ہو کر رہ گیا ہے۔

مہاراجہ کشن پرشاد صدر اعظم دولت آصفیہ ہندوستان کی اُن ذی مرتبت ہستیوں میں سے تھے جن پر ہندوستان ہمیشہ فخر کرے گا۔ ان کا قرب گنگا اور زمزم کا سنگم معلوم ہوتا تھا۔ ان کی ذات ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب کا بہترین نمونہ تھی، مہاراجہ دبی آداب و مراتب ہر شخص کے ساتھ برتتے تھے جو خود ان کے شایانِ شان ہوتے تھے، وہ خود بھی عمدہ شاعر تھے، اربابِ ذوق اور اہلِ کمال کے ہجوم ان کے درباروں کی زینت تھے، فانی پر ان کی خاص چشم کرم تھی، مہاراجہ بہادر فانی اور کلامِ فانی کو بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چنانچہ جب فانی کی وکالت آگرہ میں غیر معمولی ادبی شغف اور دوست پرستی کی وجہ سے نہ چلی تو مہاراجہ ہی نے ان کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی۔

جامعہ عثمانیہ کے ایک اقامت خانہ (غالباً فرحت منزل عدن بلاغ) میں جب جامعہ عارضی طور پر جونس کمپنی کے قرب و جوار کی عمارتوں میں تھی، فانی کے اعزاز میں مہاراجہ بہادر کی صدارت میں ایک بزمِ مشاعرہ ترتیب دی گئی جس میں حیدرآبادی اور غیر حیدرآبادی تمام معروف شعراء شریک ہوئے، میں بھی اپنے عزیز اور دوستوں کے ہمراہ ایک طویل شوق کے ساتھ مشاعرہ میں شریک ہوا، ظاہر ہے کہ اسقدر ستھری محفل میں کس قدر لطف نہ آیا ہوگا، مگر وہ لطف آج بھی ویسا ہی محسوس ہوتا ہے جب کسی نے "سرورِ عقل و غمِ عشق کے دوراہے پر" بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔ اور جب کسی نے "شبِ غم کو بے نیازِ سحر بنا کر تعینات کے پردے اٹھا دینے" پر آسمان کی طرف شکر آمیز نگاہوں سے دیکھا تھا! فانی کو پہلی دفعہ دیکھکر یقین نہ آیا کہ "باقیات" انہی کی تصنیف ہے کیونکہ آجکل بڑے شاعروں کی صورت بھی خاص قسم کی ہوتی ہے۔ ان کا بھرا بھرا جسم تھا، موزوں قد تھا، گندمی رنگ تھا، خدوخال بہت صاف تھے، آنکھیں روشن اور چھوٹی تھیں، چہرہ پر غیر معمولی متانت اور ذہانت کے آثار نمایاں تھے

لباس سادہ مگر نفیس تھا، غرض ہم تعجب اور شوق کی فراوانی لئے گھر واپس آئے۔

دوسرے دن محترم دوست حیرت بدایونی سے نیاز حاصل ہوا، میں نے مشاعرہ کا حال بیان کیا اور اپنا شوقِ ملاقات ظاہر کیا، انھوں نے ایک دن کا تعین کرکے مجھے متعارف کرانے کا وعدہ فرمایا۔

ہم مقررہ دن پر فانی کے گھر پہنچے، فانی ملے پلی[1] کے ایک سرکاری مکان میں قیام پذیر تھے۔ گرمیوں کے دن، شام کے وقت، گھر کے سامنے کے میدان میں چھڑکاؤ کرکے دس بارہ کرسیاں ڈالدی گئی تھیں میں اور حیرت صاحب جب پہنچے تو فانی برآمد تھے، ہم کو دیکھتے ہی نہایت خندہ پیشانی سے کھڑے ہوکر حیرت صاحب کو مخاطب فرمایا "آیئے آیئے"

ہم لوگ کرسیوں پر بیٹھ گئے، حیرت صاحب سے میرے متعلق پوچھا "آپ کی تعریف؟"۔

حیرت صاحب نے مجھے متعارف کرایا، فرمایا "خوب خوب آپ شعر کہتے ہیں غزل سنائیے"۔

میں نے غزل پڑھی جس کا مقطع تھا ؎

تابشؔ یہ مختصر سی ہے روداد زندگی　　دنیا سے جا رہا ہوں میں دنیا لئے ہوئے

پسند فرمایا اس کے بعد دوسری کی فرمائش کی، میں نے عذر کیا اور ان سے استدعا کی کہ اگر بار خاطر نہ ہو تو کچھ آپ مرحمت فرمایئے، کچھ توقف کے بعد "فیروز" کہکر آواز دی، یہ فانی کے بڑے صاحبزادہ تھے وہ آئے تو بیاض منگوا کر غزل سنائی جس کا ایک شعر آج بھی نقش ہے ؎

میری نظروں میں تو بواسطۂ دید ہے تُو　　میں بعنوانِ تجلی بھی تجھے یاد نہیں

غزل ایک خاص انداز سے پڑھتے تھے جس میں اپنی ذات کی طرح ایک انفرادیت رکھتے تھے غزل پڑھکر بیاض بند کردی، میں نے مزید استدعا کی۔ فرمایا "آپ نے سات شعر سنائے ہیں، میں نے بھی اتنے ہی پڑھے ہیں"۔ اس کے بعد حیرت کے اصرار پر دوسری غزل پڑھی، غرض اسی شعر و شاعری میں دو

---

[1] حیدرآباد کا ایک محلہ۔

گھنٹے کی صحبت کے بعد ہم لوگ گھر آگئے۔

اس ملاقات کے بعد میں تقریباً دو دن بیچ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، فانی سے ملکر میں نے اپنے آپ کو ایک بالکل انوکھے آدمی کے قریب محسوس کیا، انوکھا میں نے اس لئے کہا کہ فانی عام آدمیوں سے بالکل مختلف تھے، "قوائے ظاہری" تمام آدمیوں کے یکساں ہوتے ہیں اور اکثر "قوائے باطنی" بھی، فانی اپنے "قوائے ظاہری" کے اعتبار سے بھی عام لوگوں کی طرح نہ تھے کیونکہ جب میں ان سے ملا ہوں تو وہ ساٹھ کے پیٹے میں تھے مگر وہ پینتالیس[۴۵] سال سے زیادہ معمر نہ معلوم ہوتے تھے اور موت سے قبل وہ اپنی عمر سے زیادہ ضعیف دکھائی دیتے تھے بالفاظِ دیگر ان کے "قوائے ظاہری" کی جوانی سست رفتار تھی اور بوڑھاپا بیحد تیز رفتار۔ عام حالتوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ "قوائے باطنی" کے اعتبار سے وہ بالکل انوکھے تھے غم ان کی زندگی تھا، اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ رات دن رویا کرتے تھے بلکہ وہ غم سے زندگی حاصل کرتے تھے غم سے غم اخذ کرنا ان کے نزدیک گناہ کے مترادف تھا بلکہ وہ غم سے خوشی حاصل کرنے کو زندگی سمجھتے تھے اور اسی کو منشائے زندگی بھی، وہ صرف نظریات کی حد تک قنوطی نہیں تھے بلکہ عملی طور پر بھی وہ قنوطیت سے خوشی کا فائدہ اٹھاتے تھے اور انھوں نے اس طرح "نظریۂ قنوطیت" کو دنیا کے سامنے اضافہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کے تصورات اس دنیا کے تصورات سے مختلف تھے وہ ہر تصور میں "اجتہاد" کو بہت پسند کرتے تھے لیکن "غلط اجتہاد" کو نہیں۔

فطرۃً "جبر کل" کے قائل تھے لیکن آدمی کو کہیں مختارِ کل اور کہیں مجبورِ محض بھی مانتے تھے اور اس نظریہ کی ترجمانی انھوں نے شاید اس شعر میں کی ہے ؎

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی — سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

فانی اپنی شاعری کے لئے تحریکِ شعر اپنے "اندرونی حواس" سے پیدا کرتے تھے بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ بقولِ غالبؔ "اک محشرِ خیال" تھے اور اپنی انجمن خود تھے۔ یہ تحریکِ شعر "ادراکِ غم" ہوتی تھی، یہ غم،

نہ غمِ عشق تھا اور نہ غمِ روزگار۔ اس میں شک نہیں کہ یہ "ادراکِ غم" ان میں پیدا ہوا تھا۔ غمِ عشق اور غمِ روزگار ہی سے، نتیجۃً وہ دنیا کی نگاہ میں غم ہی لیکن فانی کی زندگی تھا۔

وہ دنیا کی ہر چیز کو "حس" کی طرح قبول کرتے تھے، ان کی زندگی کی ناکامی کا ایک راز یہ بھی ہے، حالانکہ دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو غیر محسوس ہی چھوڑ دینا عقلمندی ہے۔ کردار میں خودداری اور شرافتِ نفس کا جذبہ مکمل تھا، ایک واقعہ اس کی روشن دلیل ہے۔

فانی کی رفیقۂ حیات جس وقت ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوئیں، فانی کے پاس جو کچھ جمع پونجی تھی وہ ان کے علاج میں صرف ہو چکی تھی اور اب تجہیز و تکفین کے لئے بھی کچھ نہ تھا، ایسے نازک وقت پر فانی کے ایک مخلص دوست نے جو حیدر آباد کے ایک معزز جاگیر دار ہیں فانی کی مدد کرنی چاہی، بجائے اس کے کہ فانی اس مدد کو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیتے، فانی نے ایک خاص انداز میں کہا کہ آپ ایسے نازک موقع پر مجھکو خریدنا چاہتے ہیں میں آپ کی اس محبت کا بیحد ممنون ہوں!! اگر آپ کو میری کوئی مدد کرنی ہی منظور ہے تو آپ یہ کر سکتے ہیں کہ عرفانیات فانی (جو تازہ تازہ شائع ہوئی تھی) کے چند نسخے خرید لیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان کتابوں سے جو روپیہ جمع ہوا اس سے تجہیز و تکفین ہوئی، اللہ اللہ یہ اس شخص کی زندگی کا واقعہ ہے جو ہمیشہ زندگی میں خوددار رہنے کی ایک کامیاب کوشش بعنوانِ غمِ نفس کے ساتھ کرتا رہا تھا اور جس نے زندگی کے وہ نشیب و فراز دیکھے تھے جو واقعی دوسروں سے اس کو ممتاز کر گئے، ایسے نازک وقت میں اپنے کردار کی انفرادیت قائم رکھنا فانی ہی جیسے لوگوں کا کام تھا۔

مزاج میں طنز اور مزاح کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ طنز میں کسی کی دل آزاری نہیں کرتے تھے بلکہ اس ڈھب سے طنز کرتے تھے کہ بیگانہ آدمی محسوس بھی نہیں کر سکتا تھا اور یہی حال مزاح کا تھا ان کے مزاحیہ ان کے طنز اور مزاح کو خوب سمجھتے تھے اور خود فانی ایک خاص انداز سے ان لوگوں کی طرف دیکھتے تھے جس کا مطلب وہی لوگ جانتے تھے جن کی طرف انھوں نے دیکھا تھا۔

خوش خُلقی کی وجہ سے اکثر دلچسپ واقعات سے دوچار ہوجاتے تھے، کبھی ایسا ہوتا کہ فانی کی شہرت سُنکر ایسے لوگ ان سے ملنے آتے جن کو شعر کہنے کا سلیقہ تو کجا قدرت نے طبیعت بھی موزوں نہیں دی تھی مگر ادعائے شعر گوئی میں اپنی جگہ منفرد تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم دوچار آدمی پہنچے تو دیکھا کہ محفلِ شعر و سخن گرم ہے اور فانی داد دے رہے ہیں، ہمارے پہنچتے ہی ایک صاحب کو ہم لوگوں سے متعارف کرایا کہ یہ قمر صاحب ہیں بہت عمدہ شعر کہتے ہیں، بیٹھ جانے کے بعد اب جو انھوں نے عروض کی قیود سے آزاد ہوکر شعر سُنانے شروع کئے تو خدا کی پناہ! مگر فانی، واہ! سبحان اللہ! کہے جاتے ہیں بہت دیر کے بعد جب قمر صاحب اپنی دانست میں ہم لوگوں سے کافی دادِ سخن لے چکے تو چلے گئے، بعد میں معلوم ہوا کہ فانی چھ گھنٹے سے ہلاک ہو رہے تھے۔

بعض اوقات فانی بہت دلچسپ باتیں کرتے تھے جن سے بالکل بچوں کی سی معصومیت ظاہر ہوتی، ایک دفعہ سرِ شام میں اور ہادی بدایونی پہنچے تو دیکھا کہ محلہ کے چند لڑکے فانی کے اردگرد جمع ہیں اور فانی اپنے اشعار بہت ہی کیف آور ترنم میں سُنا رہے ہیں، یہ دیکھکر تعجب ہوا کیونکہ فانی اپنے اشعار بہت کم سنایا کرتے تھے، ہم دونوں کو دیکھکر کہنے لگے "خوب آئے، دو غزلیں کہی تھیں کوئی تھا نہیں، ان بچوں کو سُنا رہا تھا اب تم آگئے ہو تم بھی سن لو" یہ کہکر دونوں غزلیں دوبارہ پڑھیں، غزلیں تھیں جن کے مقطع یہ ہیں ؎

خود تجلی کو نہیں اذنِ حضوری فانی　　آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانی　　کیا کروگے وہ اگر یاد آیا

مجھ سے بہت مانوس ہوگئے تھے۔ اکثر موٹر میں مجھے اپنے ہمراہ لیکر سیر کو دور دور نکل جاتے تھے کبھی شام اکبرآبادی بھی ساتھ ہوتے تھے میں اگر زیادہ عرصہ کے بعد جاتا تو شکایت کرتے اور دوسروں سے بھی مجھے دریافت کرتے اکثر خود بھی آغا پورہ[1] تشریف لے آتے۔

[1] ایک محلہ جس میں میرا مکان تھا۔

فانی کے حیدرآباد کے ابتدائی دوران قیام میں جوش ملیح آبادی، ہوش بلگرامی، آزاد انصاری حیرت بدایونی وغیرہ اُن کے پاس زیادہ آتے جاتے تھے اور شعر و سخن کی دلچسپ صحبتیں گرم رہتی تھیں۔ پھر اور دوستوں میں اضافہ ہوگیا تھا، نواب نثار یار جنگ مزاج، ہادی بدایونی، مسعود علی محوی، ماہر القادری ناظم صدیقی، ماسٹر فدا حسین، صدق جائسی، نواب تراب یار جنگ سعید اور میں اکثر ان کے یہاں آتے جاتے رہتے تھے فانی بہت دوست پرست اور خلیق تھے ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ وہ اپنے دوستوں کو ترقی دیں لیکن بدقسمتی سے اِس کے باوجود ان کو کوئی دوست میسر نہ آیا ورنہ زندگی کی تلخیاں شاید کم ہو جاتیں۔

جوش ملیح آبادی اور حکیم آزاد انصاری سے ان کے مراسم بہت خاص تھے ان دونوں کی قربت میں فانی بہت خوش نظر آتے تھے اور یہی حال ان دونوں کا تھا۔ پرانی صحبتوں اور انجمن آرائیوں کے تذکرے، نئی دلچسپیوں کی تمہیدیں، شعر و شاعری کی پُرکیف ساعتیں اور پھر آپس کی بے تکلفی عجب مزا دیتی تھی۔

جامعہ عثمانیہ میں "یومِ جامعہ" کے سلسلہ میں ہر سال ایک مشاعرہ منعقد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ غالباً ۴۷ف میں مہاراجہ بہادر کی صدارت میں ایک مشاعرہ ترتیب دیا گیا، فانی اور میں اڈیکمیٹ[۱] شرکتِ مشاعرہ کے لئے گئے، راستہ میں بارش ہوگئی جس کی وجہ سے تمام فضا بھیگ گئی، منظر کی پُرکیف تبدیلی سے فانی متاثر ہو کر گنگنانے لگے، شعر پڑھا ؎

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں پاتراب ہے آکہ حیاتِ مستعار نقش بروئے آب ہے

اس کے بعد کہنے لگے کہ سید سلیمان صاحب ندوی نے اس شعر پر اعتراض کیا ہے" میں نے اُن سے پوچھا کہ ان کو اس پر کیا اعتراض ہے؟ کہنے لگے" انھوں نے 'پاتراب' کو 'پایاب' کے معنی میں سمجھا، میں نے جب واضح طور پر "پاتراب" کے معنی بیان کئے تو اپنی سہو نظری کو انھوں نے قبول کر لیا۔

[۱] وہ علاقہ جس میں جامعہ ہے۔

پھر تمام کلام کی اشاعت کا ذکر ہونے لگا، فرمایا "مہاراجہ بہادر کا ارادہ ہے کہ وہ اس کو شائع کرائیں، اس پر وہ کچھ لکھ بھی رہے ہیں" انہی باتوں میں ہم جامعہ پہنچ گئے۔

حفیظ جالندھری حیدرآباد آئے ہوئے تھے، مشاعرہ اپنے شباب پر تھا۔ حفیظ نے اپنا "شاہنامۂ اسلام" سنایا اس کے بعد فانی نے "کچھ مجھے حشر میں کہنا ہے خدا سے پہلے" اور "کچھ آپ بھی کہیئے مری التجا کے بعد" یہ دو غزلیں پڑھیں، مشاعرہ سے کوئی ڈیڑھ کے عمل میں ہم واپس ہوئے، واپسی پر مشاعرہ پر تبصرہ ہوتا رہا۔

ایک دن میں نے کہا، فانی صاحب! سنا ہے کہ آپ داغ دہلوی کے شاگرد ہیں؟ کہنے لگے میں نے صرف ایک غزل بذریعہ خط اصلاح کے لئے روانہ کی تھی اس کے بعد پھر کوئی اصلاح نہیں لی" اسی سلسلہ میں میں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اپنے اشعار پر اصلاح ان سے لیا کروں، کہنے لگے "اگر تم کو خیاطی سیکھنی ہے تو اور بات ہے کیونکہ اس میں یہ بتایا جاسکتا ہے کہ کتر بیونت کپڑے کی کس طرح ہونی چاہئے، اس میں شک نہیں کہ شعر کہنے کے لئے مبادیاتِ شعر سے واقفیت نہایت ضروری ہے جو مطالعہ سے آسکتی ہے مگر شاعری مطالعہ سے نہیں آسکتی وہ ودیعت ہوتی ہے اور فطری شاعر کو شاعری سیکھنے کی ضرورت نہیں اب اگر تم اپنی شاعری کو استادی کا محتاج سمجھتے ہو تو ایسی شاعری فوراً چھوڑ دو" پھر تھوڑی دیر بعد فرمایا "بعض لوگ شعر کو صرف آرٹ سمجھتے ہیں حالانکہ شعر کو شعر پہلے ہونا چاہئے یعنی شعریت شعر میں پہلے ہونی چاہئے، بعد کو آرٹ" اس کے بعد ان پر عمر بھر جو اعتراضات ہوتے رہے ان کا تذکرہ کرنے لگے پھر تھوڑے وقفہ کے بعد فرمایا "میں نے نشر کرنے کے لئے ایک مضمون اسی موضوع پر لکھا ہے اس کو ضرور سننا۔ یہ مضمون بعد کو رسالہ سب رس میں شائع ہوا۔

میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ کو فارسی شعرا میں کون زیادہ پسند ہے" فرمایا کہ "غالب اور نظیری" غالب کا فارسی کلام بہت یاد تھا، غالب اور نظیری کی غزلوں کے اکثر اشعار سنائے جن میں کا

یہ شعر مجھے یاد ہے ؎

رندِ ہزار شیوہ را طاعتِ حق گراں نبود لیک صنم بہ سنگِ در ناصیہ مشترک نخواست

اردو کے متقدمین شعرا میں میر، مومن اور غالب کے بہت مداح تھے، مومن کا یہ شعر اکثر پڑھتے تھے ؎

ہم بھی کچھ خوش نہیں وفا کرکے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

موجودہ دور کے شعرا میں، آرزو لکھنوی، یاس یگانہ، حسرت موہانی، عزیز لکھنوی، فانی جائسی شاد عظیم آبادی وغیرہ کو بہت پسند کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ میں اور حسرت موہانی بزمانہ تعلیم علیگڈھ میں ایک ہی اقامت خانہ میں رہتے تھے تقریباً بلاناغہ ایک دوسرے کو شعر سنایا کرتے تھے ایک دن حسرت نے غزل سنائی جس میں شعر تھا ؎

اب عشق کو درکار ہے اک عالمِ حیرت کافی نہ ہوئی وسعتِ میدانِ تمنّا

مجھے بیحد پسند آیا اور میں نے سہ غزلہ کہا لیکن ایسا شعر نہ نکلا۔" اچھے شعر کی جی کھول کر داد دیتے تھے حسرت موہانی کا یہ شعر اکثر پڑھتے تھے ؎

بس کھل گئی حقیقتِ نقاشیٔ خیال اپنے ہی رنگ بھر دیئے تصویرِ یار میں

خود اپنے پسندیدہ اشعار کی ایک بیاض مرتب کی تھی جس میں فارسی اور اردو کے اشعار تھے جس کو طبع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر موت نے بہت سے ارادے پورے نہ ہونے دیئے۔ موجودہ دور کے "غلط اجتہاد شعری" پر بہت آزردہ ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ آجکل چونکہ سامعین کا ادبی ذوق اچھا نہیں ہے اس لئے یہ غلط اجتہاد پسند کیا جاتا ہے۔

ایک دن میں نے کہا کہ "فانی صاحب آپ نے کبھی دہلی کے کسی مشاعرہ میں شرکت نہیں کی؟ فرمایا" میں ایک دفعہ ہارڈنگ لائبریری کے مشاعرہ میں مدعو تھا اور شرکت کے لئے گیا بھی تھا، ہوٹل

میں ٹھہرا، غزل بھی کہی تھی جس کا شعر یہ تھا ؎

وحشت بقیدِ چاکِ گریباں روا نہیں   دیوانہ تھا جو معتقدِ اہلِ ہوش تھا

لیکن شرکتِ مشاعرہ کے لئے نکلا، راستہ میں ایک صاحب سے دریافت کیا کہ یہاں مشاعرہ کہاں ہے، انھوں نے جواب دیا کہ یہاں کوئی "شاعری" وغیرہ نہیں ہے یہ سنکر مجھے بیحد رنج ہوا اور میں نے کہا کہ اللہ اکبر! یہ وہ دلّی ہے جہاں میرؔ، مومنؔ، اور غالبؔ پیدا ہوئے، بس الٹے پیروں ہوٹل آیا اور اسٹیشن چلا گیا۔

دہلی کے لوگوں میں بیخودؔ، سائلؔ، ساحرؔ اور اکبر حیدری کا اکثر ذکر کرتے تھے اور کہا کرتے کہ "میں نے دہلی کی بہت خاک چھانی ہے علیگڈھ سے دوسرے تیسرے دن تھیٹر دیکھنے دلّی جایا کرتا تھا" دہلی کے ذکر میں فرماتے تھے کہ علیگڈھ میں ایک مشاعرہ میر مہدی مجروحؔ کی صدارت میں ہوا میں نے غزل پڑھی تو ایک شعر میر مجروحؔ نے بہت پسند کیا (مجھے اس شعر کا صرف دوسرا مصرعہ یاد ہے) ع

وہ بھی صرفِ کشمکشہائے تماشا ہو گیا

مجروحؔ ذرا اونچا سنتے تھے میں نے ذرا اونچی آواز سے شعر مکرر پڑھا بہت پسند کیا اور دعا دی' میں نے کہا کہ "دعا تو با اثر تھی" ہنسکر خاموش ہو گئے۔ لکھنؤ کو بہت یاد کرتے تھے۔ ان کی زندگی کی مختصر رنگینیاں ان کو زیادہ تر اٹاوہ، لکھنؤ اور کم تر آگرہ میں مقسوم ہوئی تھیں لکھنؤ کے شعراء میں آرزوؔ، وصلؔ بلگرامی اور اثرؔ وغیرہ کا اکثر ذکر کرتے تھے، آگرہ کے دوستوں میں امام اکبر آبادی مانی جائسی وغیرہ کی صحبتوں کا مزے لے لے کر تذکرہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ مجھسے پوچھا "تابشؔ تم پر کبھی ایسا بھی واقعہ گذرا ہے کہ تم اکثر آدمیوں کو اور اکثر مقامات کو دیکھکر ایسا محسوس کرتے ہو کہ یہ آدمی اور یہ مقام پہلے کہیں تم نے دیکھا ضرور ہے" میں نے کہا کہ "ہاں آدمیوں اور بعض واقعات کی حد تک تو ایسا محسوس ہوتا ہے" کہنے لگے "میں دہلی کے

لال قلعہ میں گیا اور دیوان خاص کے قریب جن عمارتوں میں سے ایک نہر بہتی ہے ان کو دیکھکر یہ معلوم ہوا کہ یہ میرا محل ہے اور میں یہاں رہتا تھا اور یہاں اٹھتا بیٹھتا تھا۔ غرض یہ جذبہ مجھ پر اس قدر طاری ہوا کہ میں بے اختیار رویا اور بہت دیر تک وہاں بیٹھکر ان مقامات کو دیکھتا رہا وہاں سے اٹھکر اپنی اس حماقت پر خوب ہنسا۔"

تھوڑی دیر بعد کہنے لگے" بتا سکتے ہو یہ کیا بات ہے؟" میں نے کہا" میں معذور ہوں" فرمایا قرآن میں ایک آیتہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ہر روح کو جدید طور پر دوبارہ خلق کریں۔" شاید یہ دنیا اور اس دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھانے کے لئے خدا جانے کتنی دفعہ خلق کی ہو اور ہم سب بھی جدید طور پر خلق ہوئے ہوں اور پچھلی باتیں ایک خواب کی سی کیفیت لئے ہوئے ہمیں محسوس کرائی جاتی ہوں کہ ہم نے یہ تمام چیزیں اس سے قبل بھی کہیں دیکھی ہیں" ذرا وقفہ کے بعد کہا واللہ اعلم بالصواب۔

اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اکثر کہا کرتے تھے کہ" اس دنیا میں ایک چیز بھی بے جگہ نہیں ہے حتیٰ کہ ایک ذرہ بھی اور موت جس کو کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ جو چیز اپنے ماحول میں بے جگہ (Mis-Placed) معلوم ہوتی ہے وہ ہٹا دی جاتی ہے میں اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں بھی اپنے ماحول میں اجنبی سا ہوتا جا رہا ہوں" میں نے فوراً موضوع گفتگو بدل دیا

ہاشم علی خاں صاحب رکن عدالت العالیہ سرکار عالی اور فانی ایک دوسرے سے بہت مانوس تھے، ہاشم علی خاں صاحب فانی کی مالی امداد کا بھی ذریعہ بنے، فانی کی ملازمت کا سلسلہ جب ختم ہو گیا تو ہاشم علی خاں صاحب نے ان کو عدالت سے کچھ کمیشنز (Commissions) دلانے شروع کر دیئے تھے جس سے کسی حد تک فانی کی مالی مشکلات میں آسانی ہوئی۔

حفیظ جالندھری حیدرآباد آئے، یہ ان کا دوسرا پھیرا تھا، ہاشم علی خاں صاحب نے ایک

دعوت بہت اعلیٰ پیمانہ پر ترتیب دی، اپنے مخصوص دوستوں اور عزیزوں کو مدعو کیا جن میں سے علی یاور جنگ مہدی نواز جنگ، علمدار حسین اور پروفیسر ضیاء الدین انصاری قابلِ ذکر ہیں، ان کے علاوہ فانی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری اور میں بھی شریک تھے، رات گئے تک یہ پُرکیف صحبت قائم رہی، فانی نے ایک عجیب انداز سے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا ؎

دل کو مٹا کر روح کو تن سے حکم نہ دے آزادی کا
کوئی تماشا دیکھنے والا چاہئے اس بربادی کا

اس صحبت کے بعد حفیظ فانی سے ملنے کئی بار ان کے گھر آئے اور جب بھی آئے شاعری کی نشست ضرور ہوئی۔

فانی کا آخری مجموعہ وجدانیاتِ فانی، فانی نے ہاشم علی خانصاحب ہی کے نام سے معنون کیا تھا، مگر طباعت کی خرابی سے شاید وہ دوبارہ طبع کرایا گیا۔ اس میں عرفانیاتِ فانی کے بعد کی چند غزلیں اور کچھ قطعات شامل ہیں۔

کئی سال ہوئے جگر مرادآبادی حیدرآباد تشریف لے گئے۔ فانی کے یہاں مقیم ہوئے، شعر و سخن کی مجلسیں سجنے لگیں، دن رات شاعری اور شعراء موجود رہتے تھے، ان میں سے اکثر شعراء ایسے تھے کہ جن سے خود جگر صاحب بھی گریز کرتے تھے مگر وہ ہیں کہ موجود ہیں اور معہ بیاض کے موجود ہیں۔ فانی اکثر اپنی اور ان کی جان چھڑانے کے لئے موٹر میں بیٹھکر ایک دو آدمیوں کو ساتھ لیکر یا تو قاضی عبدالغفار کے یہاں یا نواب اصغر یار جنگ کے یہاں چلے جاتے تھے اور وہاں ایک دو گھنٹے پُرلطف طریق سے صرف کرکے واپس آجاتے تھے، ہم لوگوں نے جگر صاحب کے اعزاز میں ایک مشاعرہ راجہ پرتاب گیر جی کی کوٹھی میں ترتیب دیا۔ مولوی عبدالحق صاحب (سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند) کو صدر بنایا اور سامعین میں نہایت انتخاب کے ساتھ لوگوں کو جمع کیا جن میں سید ہاشمی فرید آبادی، مولانا مسعود علی محوی،

نواب منظور جنگ، نواب نثار یار جنگ، راجہ پرتاب گیرجی، پروفیسر عبدالحمید اور پروفیسر سروری قابلِ ذکر ہیں، شعراء میں فانی، جگر، حیرت بدایونی، شام اکبرآبادی، وجد حیدری وغیرہ تھے ان کے علاوہ مولانا محوی، سید ہاشمی فرید آبادی وغیرہ نے بھی اپنا کلام سُنایا مشاعرہ کی خصوصیت اور نوعیت کو دیکھکر فانی نے فرمایا "تابش میری عمر ساٹھ سال سے متجاوز ہے میں نے ایسا مشاعرہ نہیں دیکھا" فانی مشاعروں سے ہمیشہ دور رہتے تھے اور اسقدر دور رہتے تھے کہ لوگوں کو ان کے متعلق غلط فہمی ہوگئی تھی جب مشاعروں کا ذکر آتا تو ہمیشہ بیزاری کا اظہار کرتے، کہتے تھے کہ یا تو مشاعروں سے طرح کا رواج اٹھا دینا چاہئے یا کم از کم ایک درجن مصرعہ ہائے طرح ہونے چاہئیں تاکہ ہر شخص آزادی سے شعر کہہ سکے۔

فانی شعر کم کہتے تھے، میں نے پوچھا کہ آپ شعر کس طرح اور کب کہتے ہیں؟ کہنے لگے" دو ماہ میں ایک غزل کی اوسط ہے وقت مقرر نہیں اور ضرورت سے بھی بعض وقت شعر کہنے پڑجاتے ہیں جو مجھے ناپسند ہوتے ہیں۔

فانی معظم جاہ بہادر کے یہاں اکثر جاتے تھے وہاں نجم آفندی شاہد صدیقی اور معز الدین سے خوب صحبتیں رہتی تھیں، معظم جاہ بہادر فانی کا احترام کرتے تھے۔

جب سے جنگ چھڑی اس وقت سے لڑائی کے حالات پر بحث زیادہ کرتے تھے، ہندوستان کی حفاظت اور اس کے دفاع پر اکثر باتیں ہوتیں ہر خبر اور افواہ پر مدلل بحث کرتے اور اس کا جھوٹ سچ معلوم کرکے چین لیتے۔

ان کی رفیقۂ حیات ان کے لئے زیادہ مہلک ثابت ہوئی چنانچہ ان کے انتقال کے بعد فرمایا کہ "ہم بھی اب زیادہ نہیں جئیں گے" چنانچہ اپنی وفات کا مادۂ تاریخ خود ایک قطعہ میں کہا جو یہ ہے۔

اُو از جہاں گذشت کہ آخر خدا نہ بُود　　اُو آں چناں بہ زیست تو گوئی خدا نہ داشت

طغیانِ ناز بیں کہ بہ لوحِ مزارِ اُو　　ثبت است سالِ رحلتِ فانی "خدا نہ داشت"

۱۳۶۰ھ

میں نے اس کو نوٹ کر لیا فرمایا "جھوٹ سچ دیکھنے کے لئے لکھ لیا ہے؟" اس کے بعد ہنسے اور خاموش ہو گئے

حیدرآباد (دکن) میں یہ دلچسپ صحبتیں گذارنے کے بعد میں اپنے حالات سے مجبور ہو کر ہمیشہ کے لئے دہلی آگیا۔ دو مہینہ کے بعد اخبار میں یہ جانکاہ خبر پڑھی کہ آج ہندوستان سے وہ اٹھ گیا جس پر ہندوستان صدیوں ناز کرے گا۔ ایک شعر جو صرف ایک ہی شعر ہا موت سے کوئی چھ ماہ قبل کہا تھا ؎

شام سے پہلے مرتے ہیں یا آخر شب تک جیتے ہیں؟
ان کے بغیر نہ جینے والے دیکھئے کب تک جیتے ہیں؟

۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو ان کے اُس خوابِ مرگ کی تعبیر ملی جو انھوں نے عمر بھر دیکھا اور اس سوال کا جواب ان کو آخر مل ہی گیا ـــــ افسوس!!!۔ زندگی میں تلخیوں نے ایک لمحہ بھی خوشکام نہ رہنے دیا!!! خود بھی وہ غمزدہ رہے اور اپنے احباب کو بھی ہمیشہ کے لئے غمزدہ چھوڑ گئے۔ اور وہ دن بھی آخر آپہنچا جس دن کے لئے فانی آرزومند تھے ؎

ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہے فانی جس دن مجھے مرنے کی تمنا نہ رہے گی

نعتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہندوستان کے مشہور و مقبول شاعر جناب بہزاد لکھنوی کے نعتیہ کلام کا دلپذیر و دلکش مجموعہ جسے مکتبۂ برہان نے تمام ظاہری دل آویزیوں کے ساتھ بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، جن حضرات کو آل انڈیا ریڈیو سے ان نعتوں کے سننے کا موقع ملا ہے وہ اس مجموعہ کی پاکیزگی اور لطافت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں بہترین نرم سنہری جلد قیمت ۹ر

پتہ

مکتبۂ برہان" قرول باغ دہلی